مکالمہ

چیئرمین زرّین بلوچ

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد

پبلیکیشن : سگار پبلیکیشنز

مکالمہ : چیئرمین زرّین بلوچ

ویب سائٹ : www.bsoazad.org

نوٹ: یہ مکالمہ پہلے دی بلوچستان پوسٹ پر رپور تاژ کی شکل میں شائع کیا گیا ہے
جبکہ یہ اس انٹرویو کا خالص متن ہے۔

18 دسمبر 2025 کو شولان بلوچ نے میڈیا کو جاری کردہ اپنے بیان میں بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کا چوبیسواں مرکزی کونسل سیشن کامیابی سے انعقاد کا اعلان کیا۔ بی ایس او آزاد کے چوبیسوئیں مرکزی کونسل سیشن میں زرّین بلوچ بطور چیئرمین، مہردار بلوچ سکریٹری جنرل اور شولان بلوچ ترجمان منتخب ہوئے۔

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن جو بلوچ قومی سیاست میں ایک منفرد کردار رکھتا ہے، اس تاریخی تنظیم نے کئی کھٹن حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے بلوچ عوام سمیت نوجوانوں کی سیاسی تربیت کی ہے۔ یہ تنظیم ہمیشہ قابض ریاست سمیت مفاد پرست ٹولوں کی زد میں رہی ہے، مگر2002 میں اس تنظیم نے ایک تاریخی موڑلی جب بی ایس او محراب کے سینئر وائس چیئرمین ڈاکٹر اللہ نظر بلوچ نے اپنے ساتھیوں سمیت بی ایس او کو پارلیمانی سیاست سے نکال کر اسے ایک خودمختار حیثیت دی اور اس کی رخ اور نظریہ کو حقیقی بلوچ قومی سیاست سے جوڑ کر ایک تاریخی قدم کی بنیاد رکھی۔ ڈاکٹر کے بعد چیئرمین بشیر زیب نے بی ایس او کو مزید بلوچ تحریک آزادی سے جوڑ کر اسے حقیقی معنوں میں ایک قومی ادارے کا درجہ دیا۔ تب سے بی ایس او آزاد ایک قومی تنظیم کے طور پر بلوچ سیاست میں سب سے زیادہ متحرک اور سرگرم طلباء تنظیم رہی ہے۔

2013 میں بی ایس او آزاد پر پاکستانی ریاست نے پابندی عائد کردی جس کے بعد تنظیم ریاستی کریک ڈاؤن کے سائے تلے جدوجہد کرتی آرہی ہے۔ اسی سال تنظیم کے مرکزی سکریٹری جنرل رضا جہانگیر کو تربت میں پاکستانی ریاست نے نشانہ بناکر شہید کردیا جبکہ 2014 کو تنظیم کے مرکزی چیئرمین

زاہد بلوچ کو جبری گمشدگی کا نشانہ بنا کر لاپتہ کر دیا جو تاحال پاکستانی عقوبت خانوں میں قید ہے۔ جبکہ 2016 کو تنظیم کے مرکزی ترجمان شبیر بلوچ کو تربت کے علاقے پیدراک میں جبری گمشدگی کا نشانہ بنایا جو تاحال لاپتہ ہے۔ اس کے علاوہ تنظیم کے کئی مرکزی رہنما اور کارکنان شہید کر دیے گیے ہیں جبکہ کئی جبری گمشدگی کا نشانہ بنائے گے ہیں۔

اسی ریاستی کریک ڈاؤن کے سائے تلے بی ایس او آزاد نے اپنی جدوجہد جاری رکھا ہے، 2025 کے مرکزی کونسل سیشن میں نئے منتخب چیئرمین زرّین بلوچ سے ایک مکالمہ جو قارئین کو پیش کیا جارہا ہے۔

☆☆☆

کیگد بلوچ: ہمارا پہلا سوال اُسی روایتی موضوع پر ہے جو ہر انٹرویو کے ابتدا میں پوچھا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے سیاسی سفر کی ابتدا کیسے کی اور آپکو اس مقام تک پہنچتے پہنچتے کن مصاحب و حوادث کا سامنا کرنا پڑا، تاکہ ہمارے قارئین آپ کو جان سکیں۔

زرّین بلوچ: سب سے پہلے آپ تمام ساتھیوں کا شکریہ!

میں نے اپنے سیاسی و شعوری سفر کا آغاز اس وقت کیا جب میں اسکول میں نویں کلاس کا طالبعلم تھا، یہ وہی وقت تھا جب بلوچ قومی تحریک کے سیاسی منظر نامے میں ایک غیر معمولی بدلاؤ رونما ہوا۔ ایک جانب دشمن اپنے نسل کش پالیسیوں کی آڑ میں سیاسی موبلائزیشن کے مرحلے کو طاقت کے بل بوتے پر ختم کرنے کی کوشش میں مصروف تھا، تو دوسری جانب عام بلوچ آبادیوں پر بمباری کر کے علاقوں کو خالی کرنے، مارو اور پھینکو کی پالیسی، تعلیمی اداروں کو فوجی چھاونی میں تبدیل کرنے، کتابوں پر بندش، سیاسی آوازوں کو سخت کریک ڈاؤن کے زریعہ کچلنے سمیت سیاسی اسیروں کو اس قدر انسانیت سوز تشدد کا نشانہ بناتا کہ وہ دیگر کارکنان کے لئے نشان عبرت بن سکیں۔ ان تمام کالونیل پالیسیوں میں ہم درندگی و وحشت جیسے ذہنی عوامل کو نظر انداز نہیں کرسکتے، جہاں روزانہ کی بنیاد پر پاکستانی فوج اور اسکے ادارے بلوچ نسل کشی میں مصروف ہیں۔

ان تمام کاروائیوں کا واضح مقصد یہی تھا کہ دہشت، خوف اور ہراس کا ماحول پیدا کر کے بلوچ قوم کو جنگِ آزادی اور انقلاب سے دستبردار کیا جائے، مگر بلوچ قومی تحریک نے ان سخت ترین حالات میں

پولیٹیکل ڈیفنس کی مضبوط منصوبہ بندی کی پالیسی کو اپنا کر تحریک کو دوام بخشی ہے۔ اسی کامیاب اور منظم منصوبہ بندی کے تحت بلوچ لیڈروں نے سیاسی تحریک کو وقت کے ساتھ ساتھ مزید طاقتور کیا۔

جب نویں کلاس میں مجھے ایک عام بلوچ طالبعلم کی حیثیت سے بی ایس او کے کامریڈوں سے دوستی کا شرف ملا، یہ ملاقاتیں ایسے دورانیہ میں ہوئی تھی کہ بی ایس او کے کامریڈ روایتاً اپنی انقلابی فرض کے تحت نوجوانوں کو علمی، شعوری اور فکری بنیادوں پر قومی غلامی کے بارے میں آگاہی، بلوچ قومی تاریخ سے آشناہی، شہدا کے قربانیوں کی وارثی، نوجوانوں میں تحریکی ترجمانی اور اپنے نظریاتی اور انقلابی تعلیمات کی فروغ میں مصروف کار تھے۔ میں اُن دنوں ان نوجوانوں پر بھروسہ واعتماد کے قائل ہوا اور انہیں آج بھی اس عظیم خدمت کی آگاہی کا ایک بنیادی جز تصور کرتا ہوں۔

بی ایس او آزاد کے سابقہ جنرل سیکریٹری رضا جان کی شہادت نے میری زہنی و فکری نشو نماء میں ایک اہم کردار ادا کیا، جہاں شہید کے سیاسی کردار اور قربانی کے عظیم جزبے نے مجھ سمیت ہزاروں نوجوانوں میں انقلابی جذبہ کو بیدار کیا۔ رضا جہانگیر کی شہادت کے خلاف ریلیوں میں شریک ہو کر میں نے اپنے انقلابی سفر کا آغاز کیا۔

اُس وقت کے ماہانہ تاک کے زریعے نوجوانوں میں سیاسی شعور اور انقلابی تعلیمات کو اجاگر کرنے کے لئے اسکول، علاقوں، خاص کر ریلی مظاہروں سمیت سیل سسٹم کے تحت لٹریچر مہیا کی جاتی

تھی، جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ 2013 میں اعلانیہ طور پر تنظیم کو کالعدم قرار دینے کے بعد بھی بی ایس او کی فکری تربیت میں کوئی کمی نہ آئی۔

2013 میں آواران زلزلے کے بعد میرا بی ایس او کی عملی خدمات کے نتیجے میں تحریک و تنظیم سے نظریاتی رشتہ مضبوط رہا، جہاں دوستوں کی انتھک محنت اور دن رات کی ایماندارانہ کوششوں کے ساتھ امدادی کیمپوں سے سامان یکجاہ کرنے کے عمل میں بی ایس او کے ممبران سے تعلق مضبوط ہوا اور ان زمہ واریوں کو انقلابی فرض سمجھ کر ان فکری دوستوں کی قربت کے نتیجے میں جذباتی خیالات کو شعوری پختگی میں تبدیل ہونے کا موقع ملا۔

جب میں بلوچ قومی تحریک کے بارے میں علمی بنیادوں پر جاننے کی جستجو میں تھا، تب مجھے بلوچ قومی تحریک بالخصوص بی ایس او کا لٹریچر پڑھنے کا موقع ملا۔ بلوچ قومی تحریک اور دیگر انقلابی تحریکوں کا نظریاتی، علمی مطالعہ ہی تھا جس نے مجھے عقلی و شعوری بنیادوں پر راغب کیا۔ ایک جانب پاکستان کی نسل کش پالیسیوں جبکہ دوسری جانب بی ایس او سمیت دیگر انقلابی ادب کی بدولت میں نے عملی و علمی طور پہ سیاست و انقلاب میں حصہ لینا شروع کیا۔ اسکے بعد آہستہ آہستہ میرا قریبی دوستوں کے ساتھ انقلابی بھروسہ بحال ہوا اور اسی مدت کے دوران چیئرمین زاہد بلوچ کی چیئرمین شپ میں بی ایس او کا ممبر بننے کا اعزاز نصیب ہوا۔ اور تب سے لیکر آج تک میری زندگی کی راہنمائی اسی ادارہ نے کی ہے۔

کیگد بلوچ: ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے کہ بی۔ایس۔او ہر وقت عوام کے درمیان ہماری آنکھوں کے سامنے موجود رہا، لیکن اب تقریباً دس سال مکمل ہو چکے ہیں جہاں بی۔ایس۔او انڈر گراؤنڈ سطح پر سیاست کر رہی ہے، اس تمام دورانیہ میں آپ بی۔ایس۔او کے ساتھ جُڑے رہے ہیں۔ جس طرح فرد ایک سفر سے گزرتا ہے، اسی دوران ادارہ بھی ایک سفر سے گزر کر اس مقام تک پہنچا ہے، آپ اس سفر کو کیسے دیکھتے ہیں، بی۔ایس۔او کل کہاں تھا،، اور آج کس مقام پر ہے؟

زرّین بلوچ: بلوچ قومی تحریک کے تناظر میں، بحیثیت سیاسی کارکن میرا ماننا ہے کہ بی ایس او کی سیاست کبھی بھی اپنے انقلابی سرگرمیوں سے لاتعلق نہیں رہی ہے، اسی لئے بلوچ قوم میں بی ایس او کا مقام، احترام اور کردار آج تک موجود ہے اور ہمیشہ رہیگی۔

جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے، گراؤنڈ سیاست سیاسی عمل میں ایک قومی ضرورت ہے، بقولِ استاد صباء دشتیاری "قومی بیداری خون کے قطرے سے پیدا ہوتی ہے۔" سیاسی عمل کے اس جز کو جاری رکھتے ہوئے، بی ایس او کے ساتھیوں نے بلوچ قومی سیاست میں بہادری کی روایت کو برقرار رکھا۔ زاکر مجید، چیئرمین زاہد جان، رضا جان، کمبر چاکر، سنگت سناء اور لمہ کریمہ سمیت ہزاروں جہد کاروں نے اپنے کردار سے موجودہ سیاسی منظر نامے کو ایک واضح سمت دینے میں مدد کی۔ ان جہد کاروں کی انقلابی بہادری نے بی ایس او کے انقلابی "نظریاتی پختگی" کے تحت اپنی قومی ذمہ داریوں کو سرانجام دیا، حالانکہ اس وقت لیڈرشپ کے پاس دیگر مواقع بھی موجود تھے، مگر انہوں نے بی ایس او کے فکری فلسفہ (مقصد پرستی) کو زندہ رکھتے ہوئے انقلابی تحفظ فراہم کرنا، اہم ترجیحات میں شامل رہا، جس کے تحت جہد کاروں

نے اپنے جان کی پرواہ کیے بغیر نظریاتی کھیپ اور انقلاب کو نئ نسل تک منتقل کرنے کی ایک سنگین کوشش کی، جو ماضی کی قربانیوں کی مرہونِ منت ہے۔

مجھ سمیت میرے نظریاتی ساتھی اس نسل کا حصہ ہیں جنہوں نے سرفیس سیاسی میدان میں عوامی مجلس، ریلی، دھرنے، ریاستی جبر، دوستوں کی شہادت اور وقتی خاموشی سمیت، "اب گراؤنڈ میں سیاست ممکن نہیں، اب کچھ نہیں ہونے والا، سیاست اب ریاست کا سردرد نہیں رہا" جیسے مختلف کیفیات میں الجھ کر بلوچ قوم کو جذباتی قوم قرار دیتے ہوئے استعماری بیانیے کو دانستہ طور پر قبول کیا، لیکن بی ایس او نے کبھی بھی اپنے انقلابی سفر میں بے عملی کو جگہ نہ دی اور قومی امیدوں کو انقلابی اصولوں سے استوار کرنے کی کوشش کی ہے۔

بی ایس او تحریک کا ایک اہم پلر ہے اور اپنی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لئے متعدد حکمت عملیوں پر عمل پیرا ہے، لہذا بلوچ قومی تحریک کے نئے اپروچ، بی ایس او کی سیاسی نوعیت، حالات کی نزاکت اور سخت انقلابی ڈسپلن کے باعث طلبہ سیاست میں ہم اپنی پالیسی کو میڈیا میں لانے یا اپنی قیادت و عمل کی تشہیر کے حق میں نہیں ہیں۔ ہمارے تحریکی اپروچ، غلامی کے خلاف نوجوانوں کو شعور دینے کی وجہ سے بلوچ عوام کی بی ایس او سے وابستہ امیدیں انقلابی کارواں کو حقیقی معنوں میں علمی و عملی جدوجہد کے تحت مضبوط رکھتی ہیں۔

ہم نے اس تاریخی سفر میں گمنام بلوچ فرزندوں کے کردار پر ضرور مطالعہ کیا ہے، جو صرف تحریکی مفادات کی خاطر اپنی مادرِ وطن پر قربان ہو چکے ہیں۔ مگر اسی عظیم مقصد کی خاطر بی ایس او نے خود کو گمنام رکھا اور اپنے احساسات کو اپنے عقل کے تابع رکھا۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں بی ایس او کو فتح نصیب ہوئی۔ بی ایس او گمنام ضرور رہے، مگر سیاسی اصطلاحات میں انڈر گراؤنڈ کے معنی کو بی ایس او کی سیاست اور انقلابی سفر سے جوڑنا میرے نزدیک غلط ہے، کیونکہ بی ایس او اپنی گلزمین سے وابسطہ رہ کر نوجوانوں کے درمیان سیاست کر رہی ہے اور ایک انقلابی طلبہ تنظیم کی حیثیت سے اپنے عوام بالخصوص نوجوانوں کے اندر پہلے سے زیادہ مضبوط اور قریب ہے۔ بی ایس او کی تربیت اور بلوچ نوجوانوں سے اس کا انقلابی رشتہ روز بروز بڑھ رہا ہے۔ بی ایس او کی کیڈر سازی، لٹریچر اور عمل بلوچ تحریک کو مسلسل دوام بخش رہے ہیں، اور ہم اسی عمل کو مزید توانا اور مؤثر کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ ہم بحیثیتِ ایک طلباء تنظیم یہ مانتے ہیں کہ بی ایس او اپنی ہی سرزمین میں بلوچ عوام اور نوجوانوں کے اندر بیٹھ کر اپنے سیاسی عمل اور انقلابی جدوجہد کو مضبوطی کی جانب راغب کرے۔

بی ایس او نے اپنی ماضی کی غلطیوں، کوتاہیوں، اور مقابلہ بازی کے سیاسی کلچر سے نکل کر خود اپنے ادارے کا مطالعہ کیا اور اپنی کمزوریوں کو نکال کر سیاسی صحت کو زیادہ اہمیت دینے کی دلیل دی۔ اور یہ منطقی، عقلی اور شعوری بلوغت کا سفر آزادی تک جاری رہے گا۔

جب بھی بلوچ نوجوان بی ایس او کی تاریخی یادداشت پر بحث و مباحثہ شروع کرتے ہیں یا بی ایس او کی جدوجہد پر لب کشائی کرتے ہیں، تو تنظیم کے ممبران سے لیکر چیئرمین تک تنظیمی اصول، رازداری،

گمنامی، اعلیٰ درجے کے فکری مشاہدے کو مد نظر رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کرتے ہیں، حالانکہ بلوچ نوجوانوں کو جذباتی طبقہ، خود نمائی، یا صرف اپنی تنظیم کی تعریفیں کرنے کے طعنے دیے جاتے ہیں۔ بی ایس او کی سیاسی بلوغت میں تنقیدی زاویہ ہی اس کی اصل روح ہے جو اسے آکسیجن فراہم کرتی ہے۔

بایولوجیکل فینومینا کے پیمانے کے تحت انقلابی تاریخ اس اصول کی تائید کرتی ہے کہ ایک نسل سے دوسری نسل تک علمی آئیڈیاز، تحریکی فیصلہ سازی، قومی تحریک کی شدت کو مزید نکھارنے کی جدیدیت منطقی کامیابی ہے جو بی ایس او کی ماضی کی قربانیوں کی مرہونِ منت ہے۔ بی ایس او کے تمام جہدکار ہمارے سرمایہ ہیں، جس کی قدر مبادلہ دنیا کی کوئی بھی چیز نہیں ہو سکتی کیونکہ ہر سیاسی کارکن ایک انمول انقلابی ساتھی ہے۔ اس لئے یہ امر کس قدر تکلیف دہ ہو گا کہ ہم اپنی سیاسی خامیوں کو دور کرنے کے بجائے الٹا ان میں الجھ کر زیادہ نقصان اٹھائیں۔ بلوچ قومی تحریک کی خاطر بی ایس او کی حفاظت ہماری ہر ممکن کوشش ہو گی۔

سابقہ تنظیمی ساتھیوں کی جدوجہد سے تنظیم اس قدر مضبوط بن چکی ہے کہ اب تنظیم کونسل سیشن جیسے بڑے پروگرام بغیر کسی مسئلے کے کامیابی سے انجام دیتی ہے۔ ماضی کے سیشنز کے برعکس ذاتی رنجشیں اور سیاسی جراثیم کی باقیات کو نکالنے کی جدوجہد یقیناً گزشتہ قیادت و تنظیمی ساتھیوں کی مرہونِ منت ہے، مگر ہم آئندہ بھی اپنے اندرونی سیاسی خامیوں کو قابو کرکے تنظیم کے اندر اس سنجیدگی اور گروتھ کو برقرار رکھنے کی انتھک کوشش کریں گے۔

مستقبل ہمیشہ ماضی کی پیداوار ہے، اسی طرح ہمارے ارتقائی سیاسی عمل کے آئینے کے دو رخ ہیں۔ ایک طرف ماضی پرستی ہے، جو صرف چند واقعات کو حفظ کرنے تک محدود ہے، مگر دوسری جانب اگر بی ایس او کو ماضی اور حال کے تناظر میں دیکھیں، تو آج کونسل سیشن جیسے اہم ترین مراحل کے بعد تقسیم اور گروہی ذہنیت سے نکل کر بی ایس او کو مضبوط ترین ترجیحات کی جانب گامزن کرنا ہماری کامیابی ہے۔ مستقبل میں ہم اپنے جہدکاروں سے یہ امید رکھتے ہیں کہ سابقہ قیادت کی اس اہم روایت کو قائم رکھیں گے تاکہ بی ایس او مضبوطی سے اپنے پروگرام جاری رکھ سکے۔

لٹریری ریفارمیشن کے ذریعے بلوچ سماج میں طاقتور ادب کو فروغ دینا، فرسودہ خیالات کی تبدیلی، اور تحریکی ضرورت کے تحت مختلف پروگراموں کا انعقاد کرنا اہم ترین محرکات ہیں، اور اس دوران بی ایس او ان پالیسیوں کو سرانجام دینے کے سفر کو جاری رکھے گا۔

کیگد: اِن حالات میں سیاست کرنا اپنے اندر ایک فن ہے اور کونسل سیشن جیسے بڑے پروگرام کو کامیابی سے سرانجام دینا بلوچ جہدِ آزادی کی خاطر نیک شگون ہے۔ اس دورانیہ میں بلوچ طلبا تک اپنا پیغام پہنچانے اور اُن کی تحریک کے تقاضوں کے تحت تربیت کرنے کی خاطر آپ نے کونسے اقدام اٹھائے اور پالیسیاں اختیار کی ہیں، کہ اتنی طویل مدت تک زیرِ زمین سیاست کرنے کے باوجود بی ایس او نے اپنی اساس اور طلبا کے درمیان اپنی اہمیت کو برقرار رکھا؟

زرّین بلوچ: موجودہ پاکستانی کالونیل پالیسیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم اپنے تمام پروگراموں کو میڈیا میں نہیں لاتے۔ بلوچ طلبہ و طالبات کی تربیت اور بلوچ نوجوانوں کو تنظیم کی پالیسیوں کے بارے میں آگاہ کرنے کے حوالے سے ہم نے ماضی کے برعکس اپنی کئی پالیسیوں کو یکسر تبدیل کیا ہے اور انہی تبدیلیوں کے ذریعے ہم نے اپنے وجود کو منظم کیا ہے۔ یہ سلسلہ یہاں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ وقت اور سیاسی صورتحال کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بی ایس او مستقبل میں بھی اپنی پالیسیوں کو مسلسل اور مکمل طور پر تبدیل کرتی رہے گی۔

بلوچ قومی تحریک کے خلاف پاکستانی کریک ڈاؤن، مزاحمتی تنظیموں کے خلاف صف بندی، ملٹی اپروچ کے تحت نام نہاد گڈ گورننس، ڈیموگرافک تبدیلی، سوشل انگیجمنٹ و بیانیہ سازی، سائلنٹ جینوسائیڈ، انٹیلیکچول اور کلچرل جینوسائیڈ اور ڈیفینڈنٹ تھیوری کے ذریعے بلوچ سماج میں نام نہاد پبلک ڈپلومیسی کے تحت پروگرام اور دیگر کالونیل پالیسیوں کے ذرائع سے دشمن عمل پیرا ہے۔ نظریاتی شعور کو روکنا پاکستانی اداروں کے لیے ایک اہم ترین چیلنج بن چکا ہے جہاں ریاست کی ہمہ وقت کوشش یہی رہی ہے کہ بلوچ سرزمین میں بے چینی اور بے حسی کی کیفیت پیدا کی جائے۔ مگر اسی خوف کو شعور میں بدلنا ہماری انقلابی کامیابی ہے۔ دشمن ریاست ظلم و بربریت کے ذریعے بلوچ قوم کے لیے اپنی ہی سرزمین کو تنگ کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ جبکہ دوسری جانب وہ اپنی سافٹ پالیسیوں مثلاً لالچ، مراعات، نام نہاد ترقی اور جھوٹے بیانیوں کے ذریعے بلوچ قومی مزاحمتی سیاست کو غیر مؤثر بنانا چاہتی ہے۔ مگر انہی پالیسیوں

کے درمیان ہمارا اپنے لوگوں کے اندر رہ کر انقلابی درس کو جاری رکھنا ہماری تنظیمی کمٹمنٹ کو واضح کرتی ہے۔

بطور مرکزی چیئرمین تنظیم کے کامیاب کونسل سیشن کے انعقاد پر سابقہ قیادت اور تنظیمی کارکنان کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ وہ اپنے نظریاتی محاذ پر ریاستی جبر کا دلیری سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ کوئی بھی انقلابی ادارہ اپنی قوم کے درمیان رہتے ہوئے اور ان کے ساتھ جدوجہد کیے بغیر انقلاب برپا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بی ایس او کو ہر وقت یہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنے عوام اور نوجوانوں کے درمیان رہ کر ان کی رہنمائی کرے کیونکہ یہی انقلابی روایت ہے۔

تنظیم کا 24واں کامیاب کونسل سیشن اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ تنظیم کی اس انقلابی صورتحال میں کیڈر سازی اور سیاسی اپروچ صرف بیانیے تک محدود نہیں بلکہ ایک سائنسی طرز کے انقلابی عمل پر مبنی نظریے پر قائم ہے۔ یہ کونسل سیشن اس لیے افادیت اور اہمیت کا حامل ہے کہ یہاں نہ صرف نوجوانوں کے حوصلہ اور جذبہ کو بیدار کیا گیا بلکہ دشمن کو یہ باور کرایا گیا کہ بلوچ سرزمین میں نوجوانوں کے درمیان رہنے کی بہادرانہ ثقافت کبھی ختم نہیں ہو گی۔ یہیں ہماری بنیادی اور نظریاتی کامیابی ہے۔ بی ایس او بلوچ قومی تحریک کی عملی ترجمانی اور تحریکی تقاضوں کو محض نئی اپروچ یا سیاسی بحث و مباحثے تک محدود نہیں رکھتی بلکہ فکری اور عملی سطح پر ایک انقلابی کاروان کی جانب گامزن ہے۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ رسمی تعلیم انقلابی تربیت فراہم نہیں کر سکتی۔ ہم ایک ایسے عہد میں سیاسی میدان میں سرگرمِ عمل ہیں جو ہمارے لیے اعزاز کے ساتھ ساتھ ایک امتحان بھی ہے۔

جہاں تک سوال ہے نوجوانوں تک پروگراموں کی رسائی کا، تو یہ میڈیا پیغامات سے زیادہ انقلابی میدان میں انقلابی اصولوں کے تحت حاصل کیے گئے نتائج سے جڑی ہوتی ہے۔ بی ایس او نے اپنے تاریخی سفر میں رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے انقلابی تبدیلی کے ذریعے نئی تخلیقات کو عملی شکل دی جس کے تحت سیاسی تجربات، ماضی اور حال، ایک نئے نقطۂ نظر کے ساتھ از سرِ نو معنویت حاصل کرتے ہیں۔ یہ شعوری رسائی دراصل مثالی اہلیت کی انقلابی سیاست، سخت گیر موقف اور عقلی و انقلابی سیاست کو واضح کرتی ہے۔ تنظیموں کی ساخت معمول کے حالات کی بجائے انقلابی جبر اور سخت حالات میں انقلابی درس کو عملی جامہ پہنانے سے مضبوط ہوتی ہے جبکہ انقلابی صفات سے محرومی تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔

طاقتور نسل ظلم و جبر کے سائے تلے آشوبی پرورش پاتی ہے اور یہی سخت انقلابی حالات کی پیداوار ہوتی ہے۔ بی ایس او کی انقلابی تعلیمات میں جاں فشانی، توکل اور سخت حالات میں دلیری کے ساتھ ثابت قدمی انقلابی درس پر عمل پیرا ہونے کی عملی مثالیں ہیں۔

کیگد بلوچ : بلوچ آجوئی کی جہد نہ صرف اپنے اندر سخت گیر ہے، بلکہ اس سفر میں مختلف اتار چڑھاؤ کا سامنا بھی لازم ہے، تو وہ کونسی چیز ہے جس نے آپ کو اس تمام دورانیہ میں مستقل مزاجی کے ساتھ اپنی جدوجہد کو جاری رکھنے میں مدد دی؟

زرّین بلوچ: بلوچ قومی تحریک میں ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کا درس بی ایس او کے تربیتی پروگراموں، آشوبی دیوانوں اور مزاحمتی لٹریچر سے ملتا ہے، جہاں کاروان کے "ون وے سفر" یعنی ایک

ایسا راستہ جہاں واپس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جیسے فلسفے کے تحت بلوچ نوجوان سرزمین کی محبت میں اپنے کردار سے انصاف کرکے جدوجہد کو نئی روح بخش رہے ہیں۔ تحریک کے اس نہج پر مجھے جس شے نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ بلوچ ماؤں کی بے لوث قربانی، مزاحمتی سیاست کو بیدار کرنے کی جستجو، اور بلوچ شہداء کو گلزمین کے دلہا اور دلہن کی طرح رخصت کرکے ان کے قبروں پر نازینک کے ذریعے اُنہیں الوداع کرنے کی مضبوط تاریخ ہے۔ کیونکہ بلوچ مزاحمتی تحریک کے تمام فرنٹ اور جہدکاروں کے لیے اولین انقلابی لٹریچر ہمارے ماؤں کے حوصلوں پر مبنی ہے۔

بلوچ قوم کے پیر و جوان میں قربانی کا جذبہ اور شعوری صلاحیت مادی شکل میں موجود ہے جو قومی تحریک کے مفاد کی خاطر ہر شے قربان کرنے کو تیار ہیں۔ اسی سبب تحریک کے موجودہ اور ماضی کی پیچیدگیوں کے باوجود وہ ہمیں کبھی مایوس ہونے نہیں دیتے۔ بلوچ ماؤں نے قربانی کے ذریعے اس تحریک کی آبیاری کی ہے، جہاں انہوں نے اپنے بیٹوں کی شہادت پر قصیدے پڑھ کے دشمن کو یہ پیغام دیا ہے کہ بلوچ مائیں اپنے بچوں کی قربانیوں پر ناز کرتی ہیں اور وہ اس وطن کی خاطر کبھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے، ایسے بھی عظیم مائیں ہیں جنہوں نے اپنے تین تین جوان بیٹے بلوچ آزادی کی راہ میں قربان کیے ہیں اور وہ مزید بچوں کی قربانی کے لئے بھی بے دھڑک تیار ہیں۔ گلزمین کی خاطر اپنے بچوں کی قربانی کی انقلابی روح مجھے سوالات اور جستجو کی طرف مائل کرتی ہے کہ عالمی انقلابی لٹریچر سے ناآشنا اور مطالعہ سے قاصر، مگر کرداروں سے عظیم مزاحمتی ادب تخلیق ہو رہا ہے جو آشوبی جہدکاروں کے لیے ایک انقلابی تحفہ ہے۔

ایک سیاسی کارکن کے طور پر پیچیدہ جنگی حالات میں جہاں وقتی مایوسی، راہ فراریت، جواز پسندی، اور تنقید کے نام پر کچھ نہ کرنے جیسے مسائل کا مشاہدہ کرتا ہوں، مگر میرا ماننا ہے کہ ہمیں انقلابی حالات میں دشمن کے ظلم و جبر سے نہیں بلکہ بے عملی سے ڈرنا چاہیے کیونکہ یہ انقلاب اور تنظیم کے لیے ایک خطرناک مرض ہے۔

مجھے اپنے اس سیاسی سفر میں یہ تجربہ ہوا کہ طاقتور سیاسی کیڈر انہی تضادات کا مقابلہ کرنے اور ان کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونے سے پروان چڑھتا ہے۔ عموماً سیاسی ورکر مسائل کے بغیر اپنے سفر کو جاری رکھتے ہیں لیکن وہ جو مسائل کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہوتے ہیں اور انقلاب و تنظیم کے مفاد کی خاطر ہر قربانی دینے سے نہیں ہچکچاتے، اصل میں وہی انقلابی کیڈر کہلاتے ہیں۔ میرا یہ ماننا ہے کہ سیاسی ورکر کو ان حالات میں گھبرانے کی بجائے اسے ایک امتحان کے طور پر سمجھنے اور تحریک کے مفاد کی خاطر سائنسی طور پر انکا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ جو ان حالات سے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں ان کو انقلابی جُہد کار کہنا اپنے اندر تضاد ہے۔ بلوچ ماؤں کے بعد مجھے اس سفر میں حوصلہ اپنے استاد نما سیاسی دوستوں سے ملا ہے جنھوں نے اس کٹھن اور مشکل وقت میں تنظیم اور انقلاب کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔

کیگد بلوچ: بی۔ایس۔او پر ایک تنقید جو تنظیم پر ایک طویل مدت سے ہو رہی ہے، وہ یہ ایک اس کے کارکن نوجوان ہیں اور یہ ایک ایسی عمر ہے جب انسان فطرتاً جذباتی ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ تنقید

برداشت نہیں کرتے اور دیگر ااداروں اور افراد کو محض اختلاف کی بنیاد پر ریجکٹ کرتے ہیں، بحیثیتِ تنظیم کے چیئرمین آپ اس مسئلے کو کس طرح دیکھتے ہیں؟

زرّین بلوچ: جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق نوجوانوں میں تنقیدی رویوں سے ہے تو مجھے تنظیمی شمولیت سے لے کر چیئرمین بننے تک اس سیاسی سفر کو جاری رکھنے کا موقع ملا۔ مجھے دیگر بلوچ آزادی پسند تنظیموں کے اندرونی مباحث اور تنقیدی ماحول کے بارے میں زیادہ علم نہیں، لیکن میں اس بات کا شاہد ہوں کہ بی ایس او اپنے یونٹ باڈی سے لے کر مرکزی کونسل سیشن تک تنقیدی ڈرافٹ اور انقلابی ڈسپلن کے تحت تنقیدی عمل کو سازگار بنانے میں کامیاب رہی ہے جو کہ اب تک مضبوط شکل میں موجود ہے۔

اگر بی ایس او کے کارکنوں میں تنقید برداشت کرنے کی عادت نہ ہوتی تو شاید ہم اب تک زوال پذیر ہو چکے ہوتے کیونکہ تنقید ایک انقلابی صفت ہے اور اس صفت سے محرومی اور صرف جذباتی اثرات تنظیم کو انقلابی حالات میں کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ تنقیدی عمل سے دور رہنا قومی تحریک میں ذہنی طور پر مفلوج ہونے کی نشاندہی کرتا ہے جو میرے مشاہدے کے مطابق تنظیم کی خاطر سیاسی مرگ وزوال کا ایک اہم عنصر ہے۔ لیکن یہاں حقیقت یہ ہے کہ بی ایس او کے اس نظریاتی سفر میں مجھے تنقیدی رجحانات نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے جو ماضی پرستی کے آئینے سے نہیں بلکہ سائنسی بنیادوں پر تھا، یہاں صرف قومی فیصلوں، قومی فرض کو نبھانے کے لئے عمر و کردار سے ماورا اس سائنسی عمل کا بہترین نمونہ سامنے آیا۔ آج بی ایس او کے منظم ہونے میں تنقیدی شعور کا بہت بڑا ہاتھ ہے جو بی ایس او کو ایک مضبوط اور خالص انقلابی

تنظیم ہونے کا اعزاز بخشتی ہے۔بی ایس او کی دانائی اختلافات یا فریق کے نام پر رد عمل سے بچنے اور علمی بنیاد پر سیاسی نقطہ نظر رکھنے میں ہے۔ تنظیم کے انقلابی اقدار کا پہلو اسی عمل میں ہے۔

بی ایس او کے آشوبی جہد کار کو عمر کی نسبت سے دیکھ کر ایک سیاسی رائے قائم کرنا انقلابی لوازمات کی توہین ہوگی۔ کیونکہ قومی تحریک کی شاید اکثریت نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ اگر عمر قومی تحریک میں رکاوٹ نہیں بنتی تو بی ایس او کے سامنے یہ رکاوٹ کیوں؟ ہمارے سامنے اگر کوئی رکاوٹ ہے تو وہ شاید لاشعوری، کم علمی اور غیر سیاسی رویے ہیں کیونکہ کم عمری شعوری پختگی، بالیدگی اور ذہانت کے سامنے کبھی بھی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

"بلوچ نوجوان جذباتی ہیں" یہ اسٹیٹمنٹ دراصل غلامانہ ذہنیت، استعماری بیانیہ، بالادستی، اجارہ داری، حسب روایات تابع داری، کنٹرولڈ مائنڈ سیٹ بنانے کی ریاستی گماشتوں خاص طور پر ڈاکٹر مالک اور "نظریاتی ڈیتھ اسکواڈز" کی حکمت عملی تھی تاکہ بلوچ قومی تحریک کی شدت کو کم کیا جا سکے۔ یہ کہا گیا کہ "تحریک ان نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہے جو جذباتی ہیں اور جلدی برف کی طرح پگھل جائیں گے۔" لیکن بلوچ قومی تحریک کو ایک طویل عرصے تک نہ صرف جاری رکھنا بلکہ اس میں جدت و شدت لانا جذباتی نہیں بلکہ سائنسی نظریات پر منحصر ہے۔ جیسا کہ ایک بلوچ دانشور کہتے ہیں کہ جہاں سیاسی عمل غائب ہو جاتا ہے وہاں عمر کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ قومی جذبہ عمر سے نہیں بلکہ قومی غلامی اور احساس سے جنم لیتا ہے۔

میر ابنیادی طور پر یہ ماننا ہے کہ بلوچ تحریک میں بے رحمانہ، عملی و علمی تنقیدی رویے کی ابھی بھی کمی ہے۔ تجربات سے عاری تنقید، بلا مقصد لفاظیت اور غیر منطقی گفت و شنید انقلابی تنقید کے مقابلے میں غالب ہیں۔ مگر میں اس بات کا بالکل قائل نہیں ہوں کہ وہ تنقید یا دعوے جو حقیقت پسندی سے دور ہیں ان کو تسلیم کیا جائے یا ان پر عمل کیا جائے۔ پھر بھی ہم اپنے اوپر ہونے والی ہر تنقید یا بحث کو سنجیدگی سے تنظیم کے اندر زیر بحث لاتے ہیں اور موجودہ سیاسی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلے کرتے ہیں۔ یہی بی ایس او کے نوجوانوں کی حساسیت اور پختگی ہے جو ہر شے کو سائنسی نقطہ نظر سے پرکھ کر انقلابی اقدامات اٹھاتے ہیں۔ صرف الفاظ کی حد تک سوال اٹھانے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ حقیقی و سازگار سیاسی ماحول اور تجربہ درکار ہوتا ہے۔

بی ایس او اپنی فطرت میں One Dimensional line یا کسی بھی سیاسی معاملے میں یکطرفہ رجحانات سے انکاری ہے اور تلخ حقائق کے سامنے سنجیدگی، پختگی اور فکری عمل کا قائل طلباء تنظیم ہے۔ ہماری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ تنظیمی سطح پر ایسے کسی بھی رجحان سے گریز کیا جائے جو تنظیمی ساخت یا تحریکی صحت کو متاثر کرے۔ اگر دہائیوں کے مشاہدات، تجربات اور تلخ حقیقتوں کو تحریکی نگاہ سے حقیقت پسندی کے طور پر پیش کرنا حوصلہ شکن عمل سمجھا جائے تو نوجوانوں کا میڈیا بیانات اور دیگر تحریکی نقصاندہ عمل سے دور رہنا اور بغیر کسی لحاظ کے جرات مندی کے ساتھ اپنا موقف قوم و نوجوانوں کے سامنے رکھنا بی ایس او کی سیاسی تربیت کا اثر ہے۔

تنقیدی بیانات اور موضوعات اگر بلا وضاحت سیاسی رواج کے طور پر باقی رہیں تو وہ تنظیمی ساخت کے لیے نیک شگون نہیں۔ میری ذاتی رائے ہے کہ تنقیدی شعور کو تحریکی سطح پر منتقل کرنے میں تنظیموں کا کردار معنی خیز ہے۔ کیونکہ لا محدود خصوصیات کے باوجود اس سفر میں انقلاب کی خامیوں پر بحث و مباحثہ نہ کرنا فیصلہ کن عہد ساز افادیت کی اہمیت سے روگردانی ہوگی۔ بی ایس او اس بات پر قائل ہے کہ علمی و نظریاتی تنقید کو تنظیمی سطح پر فروغ دینا ضروری ہے تاکہ تحریک کا کلچر ٹرانسفارم ہو سکے۔ کیونکہ ہماری تحریک کوئی عقیدت پرست نظریہ پہ مبنی نہیں کہ جہاں تنقید کرنے کی کوئی گنجائش موجود نہ ہو۔

تنظیم تمام آزادی پسند اداروں سے انقلابی رشتوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ہم اس نقطہ پر سوال اٹھانے کو سیاسی عمل کا شعوری جز سمجھتے ہیں اور یہ تمام جہدکاروں کا اخلاقی و نظریاتی فرض ہے۔

کیگد بلوچ: اپنی تمام تر تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں بی۔ایس۔او کا کونسل سیشن ہر وقت مسئلے جنم دیتی ہے، جو کبھی تقسیم تو کبھی رنجشوں کا سبب بنتی ہیں۔ آپ اس مسئلے کو کیسے دیکھتے ہیں، کیا واقعی بلوچ اپنی طبیعت کے باعث کبھی یکجا نہیں ہو سکتا یا ان مسائل کا سبب ہماری سیاسی روایات ہیں۔ آپ اس مسئلے کی تشخیص کیسے کرتے ہیں، اور اس کا حل کیا ہو سکتا ہے؟

زرّین بلوچ: ہمیں تاریخی غلطیوں کو ہرگز نہیں بھولنا چاہیے اور خاص کر حالات کی پیچیدگیوں کو صرف وقت کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا مستقبل میں غلطیوں کے دوبارہ ہونے کا باعث بنتی ہے، میرا

داغستان کتاب کے مصنف رسول حمزہ توپ لکھتے ہیں کہ اگر آپ ماضی کو گولی ماریں گے تو مستقبل آپ کو توپ سے مارے گی۔

اجتماعی کمزوریوں اور ناکامیوں کو ہمیں اپنی یادداشت میں قومی امانت کی طرح محفوظ رکھنا چاہیئے تاکہ آنے والی نسل کے لیے یہ انقلابی درس بن سکیں۔ ماضی میں ہونے والے واقعات، رویوں اور مزاج سے ہمیں سبق لینا ہوگا، کیونکہ کارل مارکس کے مطابق شرم بھی انقلابی جذبہ ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہم ماتمی ذہنیت میں مبتلا ہو کر ماضی پرستی میں گم ہو جائیں جب کہ تحریک بتدریج آگے بڑھ رہی ہو۔ اس مقام پر ایشو اوریئنٹڈ کلچر کے ساتھ ٹھہرنا انقلابی تقاضوں کے سخت خلاف ہے۔

بعض اوقات بلوچ سیاست میں کوئی مسئلہ درپیش آتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ ماحول کی پیداوار ہے۔ یہ ممکن ہے کہ یہ رویے ہمارے سیاسی ماحول کا نتیجہ ہوں مگر حقیقت کا پتہ چلنے کے بعد اسے تسلیم نہ کرنا انقلابی سمت سے محرومی کی ایک واضح علامت ہے۔ بلوچ تحریک کے مشاہدات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ آزادی کی جدوجہد میں بی ایس او کا عروج بلوچ قومی تحریک کی ترقی کے ساتھ جڑا ہے۔ بی ایس او کی فیصلہ سازی اور اندرونی تضادات کو ہم تحریک کی اجتمائی ذہنیت سے جدا کرکے نہیں دیکھ سکتے۔

اپنی نااہلیوں کو چھپانے کے لیے تنظیم یا تحریک میں انا پرستی، ضد یا اختلاف کو برداشت نہ کرنے جیسے الزامات عائد کیے جاتے ہیں جو درحقیقت ان افراد کی اپنی خواہشات اور سازشی ذہنیت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ انقلابی مفادات کے مقابلے میں ذاتی مفادات کو ترجیح دینا، تسلیم شدہ عمل کو رد کرنا اور انقلابی

فیصلوں کے خلاف جانا تنظیم میں انتہاپسند جمہوریت کا موجب بنتا ہے جو جان لیوا مرض کی مانند تنظیم کی انقلابی حیثیت کو بوسیدہ کرتی ہے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے سیاسی مزاج میں ”شیلٹر کلچر“ کا ایک منظم اور خطرناک ماحول موجود ہے جو کمزور افراد کو متاثر کرتا ہے۔ شیلٹر کلچر پروفیشنل انقلابی کے فقدان سے جنم لیتا ہے جو سیاسی حصہ داری، عہدہ پرستی اور ماضی میں زندہ رہنے کے سبب زندہ رہتی ہے۔ جب کسی فرد کو اپنی پسند کے مطابق اسپیس نہیں ملتی تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ تنظیم کو نااہل افراد کے ہاتھوں چلانے کا الزام، مایوسانہ رویوں کو اپنا حق سمجھنا اور وضاحت کے بیان یہ سب سیاسی خودکشی اور ماتمی ذہنیت کی علامت ہیں۔ تحریک نظریاتی جوابدہی چاہتی ہے۔ مگر ہمارے یہاں کونسل سیشن کے بعد مایوس ہونے والے افراد فردی ساکھ کو بچانے کی خاطر جواز ڈھونڈتے ہیں۔ یہ نہ صرف لابی کلچر کو فروغ دیتی ہے بلکہ فردی مایوسی کو موضوعی معاملہ سمجھنے کی جگہ بیرونی سیاسی مخالفت کے طور پر دیکھتے ہیں، جو اس مسئلے کی خاطر بنیادی ایندھن کا کام کرتی ہے۔

جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے تو میرے خیال میں اس کا حل شیلٹر کلچر کے خلاف موقف اختیار کرنے میں ہے۔ کوئی بھی شخص دوسروں کی غلطیوں اور کمزوریوں کو اپنے کندھوں پر نہ لے۔ دوسری جانب اپنے سیاسی مستقبل کو کمزور افراد کی سیاسی وضاحتوں سے متاثر نہ ہونے دیں۔ تنظیمی زندگی کے ذریعے سیاسی کارکنوں میں نظریاتی، اصولی اور سیاسی تعلیم کی فراہمی ضروری ہے۔ اصولوں کے اختیار میں حادثاتی اور بیرونی عناصر کا مکمل خاتمہ، تنظیمی صحبت کی حفاظت، اپنے طریقہ کار میں تبدیلی اور

بے مقصد یکسانیت کے خلاف جدوجہد کرنا ضروری ہو گا اور سیاسی اخلاقیات کے حقیقی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے مثالی کردار ادا کرنا ہو گا۔

ہماری کوشش یہیں ہے کہ تنظیم میں یونٹی آف وِل کے ذریعے یونٹی آف ایکشن کے انقلابی اصول کو حاصل کریں، یعنی اجتماعی مفاد کی خاطر تنقیدی ماحول کو فروغ دینا اور فردی ترجیحات اور مفادات کے کلچر کو جڑ سے ختم کرنا۔ ان مسائل کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ہمارے اندرونی تضادات پر انقلابی لٹریچر کی کمی کے سبب سیاسی نقطہ نظر کی نشاندہی نہیں ہو سکی ہے۔ اسی لئے کونسل سیشن میں یہ فیصلہ لیا گیا کہ ہماری کمزوریاں اور کوتاہیاں کوئی خزانہ نہیں جنہیں چھپایا جائے بلکہ اس روایت کو ختم کرنے کی خاطر انہیں آشکار کیا جائے گا۔ کیونکہ تنظیم موجودہ حالت میں مضبوط اور منظم سیاسی رویوں کے ساتھ اپنے علمی کاوشوں کے سفر کو جاری رکھے گی۔ بی ایس او اپنی ماضی کی غلطیوں سے سیکھ کر بلوچ جدوجہد کو نئے راستوں پر استوار کر رہی ہے۔

نوآبادیاتی اور پارلیمانی طرزِ سیاست نے بی ایس او پر اپنے منفی اثرات ڈالے جو آج بھی موجود ہیں۔ یہ سیاسی کلچر اس حد تک مضبوط ہے کہ کئی بار نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں ادارے میں کسی عہدے پر براجمان ہو کر طلباء سیاسی جہد وجہد کو جاری رکھنا چاہیے یا مرکزی عہدوں پر فائز ہو کر وہ قومی تحریک کو آگے لے جاسکتے ہیں۔ سیاسی کارکنوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ بی ایس او بلوچ سماج میں ایک قومی ادارہ ہونے کے ساتھ بلوچ قومی تحریک کی نرسری بھی ہے۔ بی ایس او بلوچ سماج میں اپنی عوامی سیاست کے ساتھ ساتھ قومی جہد کے لئے تربیتی پروگرام سرانجام دیتی ہے اور سب سے بڑی مقصد بلوچ قومی تحریک ہے کہ

بی ایس او بلوچ قومی جہد کے لئے قابل و باصلاحیت کیڈر فراہم کرے لیکن ماضی میں کچھ غلط سیاسی کلچر کا اثر ہمیں پچھلے کچھ کونسل سیشنوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ لیکن اب ہمارے انقلابی ساتھیوں نے اس مرض کی تشخیص کے لئے عملی اقدامات کئے اور ایک حد تک یہ سیاسی مرض ختم ہو چکی ہے، ہمارا پیغام بلوچ قومی جہد کے لئے واضح ہیں کہ بی ایس او میں سیاست کا سفر صرف طلباء سیاست تک ہے اور یہاں بیس سال سیاست کی کوئی جگہ نہیں اور یہ بھی لازم نہیں کہ تمام کارکن مرکزی عہدے تک پہنچے یا مرکزی رہنما بنیں، بی ایس او کا کام لائق کیڈر فراہم کرنا ہے اور ہم اپنے تمام کیڈروں کو چاہے مرکزی ہوں یا یونٹ سطح کے، ان کو لائق سمجھتے ہیں اور تحریکی کیڈر سمجھتے ہیں۔ ہمارا مقصد بلوچ قوم کے لیے باصلاحیت اور شعور یافتہ طبقہ پیدا کرنا ہے تاکہ وہ بلوچ قومی آزادی کے لیے جاری قومی تحریک میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔ لیکن ہم اس پہلو سے انکار نہیں کر سکتے ہیں کہ کچھ باصلاحیت کیڈر ادارے میں بطور مرکزی قیادت کے طور پر اپنی زمہ داری نبھاتے ہیں، اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ فارغ التحصیل کیڈر لائق نہیں بلکہ کچھ کیڈروں کا سفر کسی خاص جگہ پر آکر بی ایس او سے اختتام پزیر ہوتی ہے اور تحریک کے دوسرے پہلوؤں میں جا کر اپنی قومی زمہ واری نبھاتے ہیں۔

بی ایس او میں عہدہ پرستی ایک سیاسی مرض کی شکل اختیار کر کے تنظیمی پروگراموں کو دیمک کی طرح نقصان دے رہی تھی۔ مگر اب اس کا سدِباب کر کے ہم نے ادارے کے اندر ایسے غیر انقلابی رویوں کو ختم کر کے تحریکی اپروچ اپنائی ہوئی ہے۔ اس تنقیدی عمل کا مقصد بی ایس او کو مضبوط کرنا ہے اور

یہی تنقیدی عمل کی مختلف پہلوؤں سے بی ایس او میں یہ سیاسی مرض بڑے حد تک ختم ہو چکی ہے کیونکہ ہمارا سیاسی فرض یہی ہے کہ بلوچ قومی تحریک کو مضبوط اور بلوچ سماج کو منظم کرنا ہے۔

بی ایس او کے انقلابی کارکن قومی امانت ہیں جو خود کو ضائع شدہ انقلابی ہونے سے بچا کر اپنے اندر نیا عزم و ولولہ بیدار کریں۔ نارمل ریڈنگ کلچر کے بجائے پورے لگن اور محنت سے کتاب بینی کو فروغ دیں۔ کیونکہ ہماری زمین دنیا کی خطرناک جنگوں کی زد میں ہے جہاں ریاستی تشکیل کے حوالے سے سماجی انقلابی فورس کی حیثیت سے موجودہ تحریک اور شہداء کی امیدیں بی ایس او کے کارکنوں سے جڑی ہیں۔ ان امیدوں کا دامن چھوڑنا سنگین قومی خیانت ہوگی۔ یہ امر ہمیں ذہن نشین کرنا چاہیے کہ ہم نے اپنے تنظیمی سفر کے لیے خود کو وقف کرنا ہے جو ہمارا اولین فریضہ ہے۔ تنظیم کے نظریات کی گہرائی سے مطالعہ، فولادی اتحاد، اور نظریاتی تحفظ کی تشہیر ہمارے رویوں اور عمل سے جڑی ہے۔

کیگد بلوچ: ہم دیکھتے ہیں کہ بی ایس او کے علاوہ بلوچ سرزمین پر دیگر طلبا تنظیم بھی ایک فعال کردار ادا کرنے کی کوشش کر رہی ہیں، تو آزادی کے لئے جدوجہد کرنے کی بنیادی شک کے علاوہ بی ایس او آزاد ان دیگر طلبا تنظیم سے کس طرح جدا ہے؟

زرّین بلوچ: بی ایس او بلوچ قومی تحریک کا ایک مضبوط ستون ہے جو دشمن کے تمام ناپاک عزائم، سماجی برائیوں، نشہ، آوارہ گردانہ سوچ، غیر سیاسی رویے، بیوروکریٹک کلچر کی مخالفت ، بلوچ

نوجوانوں کی سماجی رکاوٹوں کے خلاف موبلائزیشن اور انقلابی تربیت کے ذریعے ڈی کالونائزیشن کے عمل میں ایک واضح سمت دے رہی ہے۔ یہاں نظریاتی طاقت کے ذریعے علمی آزادی کا تحفظ، تحریکی نمائندگی، باقاعدہ علمی بنیادوں پر تحریک کا حصہ بننا، انقلابی ادب کو فروغ دینا، اور نوجوانوں کو تابع دار چاپلوسی اور دشمن کے فرسودہ تعلیمی نظام کے زہریلے اثرات سے آگاہ کرنا شامل ہے۔ بقول استاد صباء دشتیاری، پاکستانی تعلیمی نظام انسانی صلاحیت کو دیمک کی طرح چاٹ کر ختم کر دیتی ہیں۔ بی ایس او کی انقلابی جدوجہد اس نسل کو ری ایجوکیٹ کرنے اور اپنی انقلابی بصیرت سے تاریخی تعمیر کے عمل کو آگے بڑھانے جیسے عوامل سے سرشار ہو کر اپنے انقلابی فرض کو مشترکہ طور پر ادا کر رہی ہے۔

ہمارے لئے قومی المیہ اس وقت ہو سکتا تھا جب جدوجہدِ آزادی کی بنیاد پر بی ایس او ایک سے زیادہ دھڑوں میں بٹ کر گروہ بندی، تقسیم در تقسیم، مقابلہ بازی اور غیر انقلابی عوامل کے زیر اثر آ جاتی۔ مگر آج حقیقت اس کے بر عکس ہے اور بلوچ نوجوانوں کے ساتھ ساتھ پوری بلوچ قوم اس بات سے آشنا ہے کہ عملی میدان میں کون قومی آزادی کی راہ پر گامزن ہے۔

بی ایس او بلوچ نوجوانوں کی وحدت پر مبنی ایک انقلابی تنظیم ہے جو نظریاتی تقسیم کی نفی کرتی ہے۔ یہ تنظیم کی کامیابی کا ایک اہم ستون ہے جو اس بیانیے کی تائید کرتی ہے کہ بی ایس او ایک متبادل راستے کی جانب سیاسی بلوغت، ویژن اور مضبوط کردار سازی کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔

بی ایس او کی علمی و مزاحمتی سیاست، خود مختاری کی شکل میں انقلابی عمل، کارکردگیاں، اور کردار سازی عملی طور پر مثالی ہیں۔ دیگر برائے نام بی ایس او اب بلوچ سماج اور نوجوانوں میں غیر موثر ہیں، جہاں ان پر اب کوئی زی شعور نوجوان بھروسہ نہیں کرتا۔ پارلیمانی پارٹی کے پاکٹ آرگنائزیشنز میں عہدہ پرستی، ذہنی کرپشن، مفاہمت پسندی، علم و عمل سے عاری ہجوم پرستی اور اپنے ذاتی مستقبل کو خوشحال بنانے کی جستجو، خالص بلوچ نظریہ کو پامال کرنے کے مترادف ہے۔ ایسی تنظیمیں بلوچ نوجوانوں کو متعین نظریاتی سمت سے محروم، نالائق و بوسیدہ نسل کی جانب لے جارہی ہے، جہاں دشمن سے نفرت کی بجائے دانستہ حمایت کو فروغ دیا جاتا ہے جو انقلابی عمل کو محدود کرنے کا سبب بن رہی ہے، جنہیں ایکسپوز کرنا اور بلوچ سماج و نوجوانوں سے آئیسولیٹ کرنا تحریک کی اہم ضروریات میں سے ایک ہے۔

نام نہاد ٹولیاں بلوچ نوجوانوں کے جذبات کو سرد خانے میں بدل کر قومی مجرم کے مترادف ہیں۔ کارکنوں میں کمپرومائزمائنڈ سیٹ کے تحت یہ سیاسی گروہ اپنے کارکنان کو عملی زندگی سے محروم کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ نوجوان نسل جو کسی قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے انہیں کمزور کرنا ان کا مقصد ہے۔ یہ غوث بخش بزنجو کے سیاسی باقیات ہیں جو مزاحمتی کاروان کے لیے دشمن سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔ وہ محض خیالی بہانوں، جھوٹ، فریب اور من گھڑت سیاسی منفی دلائل کے ذریعے مصروف رہتی ہیں۔

بی ایس او آزاد نئے معاشرے کی تعمیر کی خاطر نہ صرف ضروری سماجی علوم کا مطالعہ کر رہی ہے بلکہ تحریک میں تکنیکی صلاحیت اور مزاحمتی شعور کے ساتھ ہمارے انقلاب کی ابھرتی ہوئی نسل کو نئے دور

کے تقاضوں کے تحت تیار کرنے میں کوشاں ہے۔ انقلاب کے تعمیر کی نگرانی اس نئی نسل کی طرف سے کی جارہی ہے جو تحریک کی مستقل نمائندگی اور دفاعی ڈھال کے طور پر عملی جدوجہد کر رہی ہے۔

کیگد بلوچ: آپ پاکستان کے تعلیمی نظام کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن پھر بھی بی ایس او کی جانب سے کوئی ایسا عمل یا اقدام آج تک نہیں ہوا جو اس موجودہ نظام کی جگہ لے سکے۔ تعلیمی نظام کے بغیر قومی تشکیل اور قومی ترقی کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟

زرّین بلوچ: اگر تحریکی تناظر میں دیکھا جائے تو تعلیمی نظام کا معاملہ پوری قوم یا تحریک کے تمام اسٹیک ہولڈرز کے ذریعے ایک ایسا نظام لانے کی طرف جائے گا جس پر مکمل یکسانیت کے ساتھ عمل کیا جائے۔ بی ایس او ایک انقلابی تنظیم کی حیثیت سے اپنے اندر ایک تعلیمی نظام رکھتی ہے جس پر وہ خود مختاری سے عمل پیرا ہے۔

قومی مزاحمتی تحریک میں انقلابی حالات اور ماحول اب اپنی اصل اہمیت اور افادیت کو شدت سے ظاہر کر رہے ہیں۔ تحریکی جزو کی حیثیت سے ثقافتی فورس کے طور پر عملی سطح پر بلوچ نوجوانوں کو ڈی کالونائزیشن کی طرف لے جانا ہماری بنیادی ذمہ داری ہے، نوجوان نسل میں ثقافت و زبان کو منظم کرنا، نوجوانوں کے منتشر خیالات کو ایک انقلابی سانچے میں یکجاہ کرنا، مزاحمتی اور انقلابی تعلیم کی سخت ترین

تربیت دینا، انقلابی لٹریچر کو فروغ دینا، اور اکیڈمک بنیادوں پر ایسی باصلاحیت نسل تیار کرنا جو ریاستی پالیسیوں کو علمی و عملی سطح پر بے نقاب کر سکے۔

ریاستوں کے پاس تعلیمی نظام انسٹیٹیوشنز یا اکیڈمیوں کے ذریعے عمل میں لایا جاتا ہے۔ ہم تعلیمی نظام کے پریکسز پر مکمل طور پر اعتماد رکھتے ہیں اور مسلسل اسی پر عمل پیرا ہیں۔ اگرچہ ہمارے پاس واضح طور پر جسمانی انسٹیٹیوشنز نہیں ہیں مگر تنظیم مختلف ڈیپارٹمنٹس اور سب ڈیپارٹمنٹس پر مشتمل ہے جہاں مختلف شعبہ جات میں سائنسی طریقوں پہ کام جاری ہے۔ جیسا ہم لٹریچر ڈیپارٹمنٹ کے ذریعے مختلف موضوعات پر اکیڈمک بنیادوں پر کتابیں اور میگزین شائع کر رہے ہیں۔ تنظیم کے اندر پروفیشنل کیڈر پیدا کرنے کے لیے ایک واضح نظام موجود ہے جس کے تحت افراد کو تھیوری اور عمل دونوں حوالوں سے تیار کیا جارہاہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہی وہ نظام ہے جس کی بدولت ہم ایک باصلاحیت نسل پیدا کرنے کی راہ پر گامزن ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تنظیم کے تعلیمی پروگرام میں ایک جامع اسٹریٹیجی پر عمل کیا جارہا ہے تاکہ وہ نہ صرف تعلیمی میدان میں بلکہ عملی زندگی میں بھی انقلابی سوچ کے حامل بن سکیں۔ تنظیم کے اندر ہونے والے ورکشاپ اور تربیتی سیشنوں کی مدد سے بلوچ عوام اور نوجوانوں کی انقلابی لٹریچر، تاریخ اور سیاسی حکمت عملی پر تربیت کی جارہی ہے۔ ان اقدام سے نہ صرف نوجوانوں کی تعلیمی صلاحیتوں میں اضافہ ہورہاہے بلکہ ان میں بلوچ ریاستی تشکیل میں منظم کردار ادا کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہورہی ہے۔

تحریک کے ترجمان ہونے کی نسبت سے سیاسی اداروں پر قومی ذمہ داریاں اب پہلے سے کہیں زیادہ سنگین اور ناگزیر ہو چکی ہیں۔ تنظیم اپنے تاریخی کردار کو ادا کرتے ہوئے ایک مکمل انقلابی نرسری

ہے۔ موجودہ حالات میں بلوچ قومی تحریک کے نئے ڈھانچے اور تنظیمی اپروچ میں ثقافتی فورس کی حیثیت سے آزادی کے نظریے کا سخت ترین دفاع کرنا ناگزیر ہے۔

کیگد بلوچ: بلوچستان میں نوجوانوں کو ذہنی طور پر مفلوج و کرپٹ کرنے سمیت اپنی طرف مائل کرنے کی خاطر ریاست نت نئے طریقہ کار استعمال کر رہی ہے، کہیں تعلیمی اداروں میں آئی۔ایس۔پی۔آر کے نام پر سیمینارز کا انعقاد کیا جارہا ہے تو کہیں فیسٹیولز اور دیگر پروگرامز کے ذریعے نوجوانوں کو مفلوج کرنے کی کوشش جاری ہے۔ آپ ان پالیسیوں کو کس طرح دیکھتے ہیں اور بی۔ایس۔او ان کو کاؤنٹر کرنے کی خاطر کیا کرسکتی ہے؟

زرّین بلوچ: بلوچ قومی تحریک کے سامنے رکاوٹوں میں تشدد کے استعمال سے زیادہ پاکستانی بیوروکریٹک کلچر یا کالونیل ایڈمنسٹریشن ہیں، جو ہزاروں نوجوانوں کو جسمانی موت کی بجائے ذہنی طور پر مفلوج کر رہی ہیں۔ کیونکہ ریاست کی ہمہ وقت کوشش یہی رہی ہے کہ نوجوانوں کو نظریاتی موت۔۔۔ یعنی ذہنی طور پر مفلوج کرکے ان کی صلاحیتوں کا استحصال کرسکے۔

ان یوتھ پروگرامز اور فیسٹیولز میں سی ایس ایس کلچر، سوشل میڈیا بیانیہ، اور ترقی یافتہ بلوچستان کے نام پر اربوں خرچ کرنے کا واضح مقصد بلوچ قوم کو مصنوعی بلوچ اور فکری طور پر ضعیف و اپاہج بنانا ہے، جہاں بلوچ روایات کی پاسداری کے بجائے دشمن کے مزاج، طبیعت اور زبان کے وسیلہ مزاحمتی کلچر کو

مسخ کیا جائے۔ کیونکہ بلوچ نظریہ و احساس کو پیروں تلے روندھ کر نوجوانوں کو زمینی حقائق سے دور بیگانگی کی کیفیت میں مبتلا کرنا دشمن کا پسندیدہ مشغلہ بن چکا ہے۔

کالونیل ایڈمنسٹریشن چونکہ برطانیہ اور فرانس کی کالونیوں میں اپنی طاقت کو برقرار رکھنے کا ایک موثر حربہ ثابت ہوئی ہے۔ اسی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر پاکستان کالونیل ایڈمنسٹریشن کے توسط سے تعلیم یافتہ بلوچ نوجوانوں کی صلاحیتوں کو ختم کر کے اُنہیں اس مشینری کا پُرزہ بنا رہی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ پالیسی بلوچ نوجوانوں کو ایک دلدل کی طرف دھکیل کر رہی ہے جو ان کی ذہانت کو مکمل طور پر بوسیدہ کر رہی ہے۔ ریاستی پالیسیوں کا واضح مقصد اپنے نالج سسٹم کے ذریعے سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش ہے تو یہاں ہمارا فرض ہو گا کہ ہم اس نالج سسٹم کو کاؤنٹر کرنے کی خاطر اجتماعی سطح پر جدوجہد کریں۔

ہمیں انقلابی تنظیم ہونے کے ناطے اس منصوبہ بندی کا بے حد احساس ہے۔ کیونکہ یہ ہماری وجود، شناخت، نظریہ اور احساس پر حملہ ہے۔ اس لیے ہمیں محدود علم و جائزے کی بجائے مجموعی علم، خود آگاہی اور حقائق کی نشاندہی کرتے ہوئے مرض کے خلاف مزاحمتی راستے کو مضبوط کر کے سیاسی مشکلات کو قبول کرنا ہو گا۔ اسی کے ساتھ ہمیں اپنے پروگراموں کو اس طرز پر تشکیل دینا ہو گا جہاں اپنی بساط کے مطابق تمام چیلنجز کے سامنے ڈٹے رہنا ہر سیاسی کارکن کی ذمہ داری ہو گی۔ ہمیں آزادی کے تقاضوں کو سمجھنا، ترجیحات میں تبدیلی اور دشمن کے نقوش کو مٹانا ہو گا۔ مزاحمتی اثرات کو اب تک زائل نہیں کیا جا

سکا، کیونکہ اس طویل جنگ نے مضبوط اعصاب کے مالک ایک ایسے نسل کو جنم دیا ہے، جو اب دشمن کی مکاریوں کو پہچان چکے ہیں اور اُنہیں بہکانا اتنا آسان نہیں۔

کیگد بلوچ: بلوچ جہدِ آزادی کے خلاف استعمار ماضی سے ایک بیانیہ کے فروغ میں کوشاں ہے کہ اکیسویں صدی کی جدید ریاستوں کو شکست نہیں دیا جاسکتا، جو کہ کچھ اس طرح زبان زدِ عام ہے، "سنگ ءُ سرمیڑینگ نہ بیت"۔ یہ بیانیہ ایک طرف، لیکن حقیقت یہ بھی ہے کہ جدید ریاستیں کل سے زیادہ مضبوط اور منظم ہیں۔ لیکن بلوچ کی طاقت اپنی حقیقت میں بکھری ہوئی ہے، تو اس بکھری ہوئی طاقت کے ساتھ ایک نیوکلئیر طاقت کو شکست دینا کیسے ممکن ہے؟

زرّین بلوچ: استعماری بیانیے محکوم قوم کے فکری جذبے کو سبوتاژ کرنے کے ساتھ ساتھ بناوٹی محاذ آرائی کرتے ہیں جس کے شواہد ماضی قدیم سے لے کر دورِ جدید کے میڈیا وار فیئر میں دیکھے جاسکتے ہیں، جہاں آج ریاستی بیانیہ اس امر پہ بضد ہے کہ جدید دور میں ریاست کو شکست نہیں دی جاسکتی۔ اصل میں ایسے بیانیے محکوم اقوام کے قومی سوال کو احساس کمتری کے پیچھے دباتے ہیں۔ تاریخ میں ایسی مثالیں ہمیں افریقہ کی نوآبادیاتی تاریخ میں ملتی ہیں کہ افریقہ کے سیاہ فام ریاستی امور کو چلانے کے اہل نہیں ہیں کیونکہ ان کے پاس سائنسی علوم کو جاننے کی خداداد صلاحیتیں نہیں۔ جہاں بقول کوامے نکرومہ، "ان کا اصل مقصد افریقہ میں بڑھتے ہوئے انقلاب کو روکنا تھا۔" کیونکہ جدید جنگ میں حملہ صرف جسموں پر نہیں کیا

جاتا بلکہ ذہنوں پر بھی کیا جاتا ہے جو بیانیے کے ذریعے افواہ، جھوٹے دعووں، اور ڈس انفارمیشن کی شکل میں رونمائی پاتے ہیں۔

ان تمام عوامل کو بے اثر کرنے کے لیے تنظیمی ڈھانچے کا خلاصہ سیاست کے علاوہ پہلی سیڑھی حساسیت کے زاویے کو بدلنے کی مشق، فہم کی قوت، اور شناخت کی حفاظت کو اپنا وقار سمجھنا ہے۔ ہمیں اپنے حوصلوں اور صلاحیتوں سے اس دنیا میں اپنے قدم جمانے ہوں گے تاکہ دشمن کے بیانیے سے زیادہ اپنی مزاحمتی جدوجہد کو مضبوط کر سکیں۔

بیسویں صدی میں ریاستوں کی رٹ کہ "اب ریاست ٹوٹ نہیں سکتی" کے اس خود ساختہ بیانیے کے باوجود ویتنام اپنے قومی تحریک کو کامیاب کر گئی اور وہ تاریخ کے نئے باب میں اپنا نام رقم کر گئے اور اپنی قربانیوں کے ذریعے اپنی آزادی چھین لی۔ اس لیے ہماری اجتماعی ذمہ داری حوصلہ اور نئی صلاحیتوں دونوں پر منحصر ہے کیونکہ حوصلہ بغیر از صلاحیت اور صلاحیت بغیر از حوصلہ نامکمل ہیں۔

جہاں تک بات ریاست کو توڑنے کی ہے تو بقول چیئرمین غلام محمد، ریاست کو توڑنے سے ہمیں کوئی سروکار نہیں کیونکہ ہم صرف اپنی آزادی کے متلاشی ہیں کیونکہ ریاست نے ہمیں بہ زور قبضہ کیا ہے، اس لیے ہمارا جذبہ ایک زبردست قوت بن رہا ہے جسے کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ ناممکنات کی منزل میں یہ تحریک کوئی حادثہ یا اتفاق نہیں بلکہ قربانی، حوصلہ اور صلاحیتوں کا مجموعہ ہے جس کے ذریعے ریاست کو شکست دے کر ان کا مقدر بدلنا ہوگا۔

اکیسویں صدی کے شروع میں عالمی سیاسی منظر نامہ تبدیل ہوا جو کہ معاشی و سیاسی سطع پر نیو لبرلزم کی بالادستی کی طور پر سامنے آیا۔ اس صدی میں ایک مربوط ڈسکورس پر زیادہ زور دیا گیا کہ مسلح جدوجہد اور تشدد کو غیر قانونی اور ناجائز قرار دیا جائے۔ اسی ڈسکورس کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ اس صدی میں جتنی بھی تحریکیں چلی ہیں ان کا جھکاؤ مغرب کی جانب زیادہ رہا اور ان کا محور پرامن اور جمہوریت پسند تھا۔ زیادہ تر ریاستوں میں جمہوریت کی بحالی پر زور دیا گیا اور یہ تمام تحریکیں بظاہر پرامن دکھائی دیں تاکہ مغرب کے بنائے ہوئے ڈسکورس کے دائرے میں وہ اپنا مقام اور پذیرائی حاصل کر سکیں۔ پرامن جدوجہد پر اس لیے زور دیا گیا تاکہ مظلوم اور غلام قومیں اپنی عوامی طاقت کو حقیقی معنوں میں استعمال نہ کر سکیں کیونکہ مسلح جدوجہد اور آزادی کی تحریکیں دنیا کی تمام مظلوم اور مقبوضہ اقوام کے لیے امید کی کرن بن سکتی ہیں جس سے سامراجی ریاستوں کی جانب سے قائم کی گئی ورلڈ آرڈر ٹوٹ سکتی ہے۔

مگر اس کے باوجود ہمیں معلوم ہے کہ ماضیِ قریب میں کئی قوموں نے مسلح جدوجہد سے اپنی عوامی طاقت کے دم پر کامیابی حاصل کی جن میں ایسٹ تیمور، کوسوو، ساوتھ سوڈان، افغانستان، سومالی لینڈ، ساوتھ اوسیتیا، کردوں کی روژاوا سمیت دیگر کئی اقوام شامل ہیں۔ تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مغرب کی بنائے ہوئے ڈسکورس کے باوجود اس صدی میں منظم اور عوامی جدوجہد سے آزادی کی تحریک کامیاب ہو سکتی ہے۔

بقول چی گویرا، "جب مظلوم قوم کی مزاحمت شدت اختیار کر لیتی ہے تو ریاست بھی اسی شدت کے ساتھ ردعمل پیش کرتی ہے"، کیونکہ آج بلوچ قوم نے تاریخ کے نئے باب رقم کئے ہیں۔ جدید دنیا کے بیانیے کے مطابق یہ کہا جارہا ہے کہ اب مسلح جنگ غیر مؤثر ہو چکی ہے یا نئی ٹیکنالوجیز میں یہ ممکن نہیں کہ مسلح جدوجہد کامیاب ہو۔ بلوچ قوم کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ اس نے اس ٹیکنالوجی کے دور میں زمینی حقائق سے خود کو دور نہیں رکھا۔ اپنے زمین پر خود انحصاری، عوامی حمایت اور نوجوانوں کی قربانیوں کے ذریعے نئی سیاسی شعور قائم کر رہی ہے کہ آج دشمن رسوا ہو چکا ہے اور یہ حد تک اپنی تمام ریاستی مشینری خرچ کر رہا ہے۔ لیکن زمینی حقیقت اور بلوچ زمین کی بڑی بحث بلوچ جدوجہدِ آزادی ہے۔ یہ دراصل اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ریاست شکست کھا سکتی ہے اور بلوچ قوم اس دور میں اپنی آزادی حاصل کر کے دنیا کے لیے نئی داستان رقم کرے گی۔

کیگد بلوچ: آنے والے دو سالوں کی خاطر، آپ اور آپ کی ٹیم کی بنیادی توجہ کا مرکز کیا ہیں؟

زرّین بلوچ: ہماری دوسالہ تنظیمی پالیسیوں میں جامع پروگراموں کی پیش قدمی اور انقلابی مطالعہ شامل ہوگا تاکہ ہم دو قدم آگے بڑھ سکیں اور انقلابی ضرورتوں کو سائنسی بنیادوں پہ پورا کر سکیں۔ اس دوران ہماری ہر ممکن کوشش ہوگی کہ مسلسل ایجادات اور انقلابی جذبے کی تعلیم کو فروغ دیا جائے۔ اس کے ساتھ بلوچ سرزمین میں ایک ثقافتی فورس کے طور پر دشمن کے تمام منصوبوں کے خلاف ویگارڈ کے

بطور دفاعی ڈھال بن کر روایتی فیصلہ سازی کے بجائے اکیڈمک بنیادوں پر نوجوان نسل کی آبیاری پر توجہ دیں۔

اس خطرناک سیاسی منظر نامے میں ہم شعوری بنیادوں پر بلوچ نوجوان کو انہی حالات میں سیاسی تعلیم اور لٹریچر کی واضح سمت دینے کی جدوجہد کریں گے جہاں انقلابی خیالات کے ساتھ جدید سائنسی اور ٹیکنیکل موضوعات کی جانب کارکنوں کی ذہن سازی کی جائے گی۔ کیونکہ یہیں سیاسی کارکنان تنظیمی و تحریکی سرمایہ ہیں۔ تنظیم کی اہم ترین کاوشوں میں سے ایک باصلاحیت اور باکمال کیڈرز کی کھیپ پیدا کرنا ہے جو علم، بصیرت اور نئی تحریکی اپروچ و ضروریات کو سمجھے۔ اس کے علاوہ تیز رفتاری سے روایتی پیٹرن کی بجائے کارکنوں کی انقلابی تربیت، تنظیمی و ادارہ جاتی میموری پر کام، اور سابقہ کامیابیوں و کمزوریوں کا عملی بنیادوں پر جائزہ لے کر نئی راہیں متعین کی جائیں گی۔

ریاست ہمارے اجتماعی یاداشت اور احساس کو خطرناک اور ہائبرڈ حد تک مصنوعی طریقوں سے ختم کرنے کی منصوبہ بندی کر چکی ہے تو اس کے خلاف عملی اور نظریاتی بنیادوں پر اپنی قومی ثقافت میں علم کو مرکزی حیثیت دے کر اپنی پالیسیوں کو عملی اور جامع شکل دی جائے گی۔ سیاسی صحبت میں بیزاری جیسے ماحول کے خاتمے اور ڈیجیٹل نیشنلزم کے ذریعے علمی رسائی کے ماحول کو اجاگر کیا جائے گا تاکہ ثقافت کے تمام محرکات کو نمایاں کیا جاسکے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم کوشش کریں گے کہ ان بدلتے ہوئے حالات، جنگ اور تحریک کے نئے اور جدید تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک ایسی طاقتور نسل تیار کریں جو مکمل طور پر بلوچ قومی آزادی کی تحریک میں نمایاں اور مثالی کردار ادا کرے اور اپنے روایتی علم و صلاحیتوں سے زیادہ جدید ترین تکنیک کی بدولت دشمن کے آمنے سامنے ہوں۔

کیگد بلوچ: آپ بی ایس او کے ممبران اور بلوچ نوجوانوں کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

زرّین بلوچ: بی ایس او کے انقلابی کارکن کے سامنے تحریکی اپروچ اور نئے تقاضے مکمل طور پر واضح ہیں اس لیے خود کو ضائع شدہ انقلابی ہونے، بے ضابطہ مزاج اور رویّوں سے بچانا ہماری انقلابی ذمہ داری ہے۔ ہمارا ایک ہی نعرہ ہے کہ تنظیم کے تمام کارکن ٹیکنالوجی، سائنس، جدید علم اور ٹیکنیکس سیکھیں۔ بلوچ قومی تحریک کے خاطر نئی ٹیکنیکل صلاحیتوں کے مطابق ایجادات کی جانب راغب ہوں، کیونکہ بلوچ ریاستی تشکیل بلوچ تحریک کا ایک بنیادی ستون ہے اور ریاستی تشکیل صرف با صلاحیت نوجوانوں سے ہی ممکن ہے۔

بلوچ نوجوانوں پر ریاستی جبر میں تمام تر تیزی کے باوجود غلامی کا خوف ختم ہونا تحریکی قربانیوں کا ثمر ہے جو کہ ایک مثبت عمل ہے لیکن دوسری جانب دشمن کے نئے پروگراموں کی تشکیل کا واحد مقصد غلامی کے احساس کو ختم کرنا ہے جو ہمارے لیے کسی المیے سے کم نہیں ہو سکتا۔ بلوچیت و اخلاقی اقدار،

ہزاروں سالہ تاریخی وراثت اور مزاحمتی نفسیات کو زہریلے وائرس کی طرح ختم کرنے کی ریاستی منصوبہ بندی کا مقابلہ کرنا اور اپنے قومی مستقبل کا تعین کرنا آج کے نوجوان کی ذمہ داری ہے۔

بلوچ نوجوان اپنی صلاحیت اور طاقت کو سمجھیں اور دشمن کے خلاف اس تحریک میں مکمل طور پر حصہ لے کر بلوچ شناخت کی پاسداری کریں۔ میں ایک بار پھر بلوچ نوجوانوں سے مخاطب ہو کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پاکستانی استعماری بیانیے سے آگاہ ہوں اور ان کے عزائم کو بالکل ناکام بنائیں۔ دشمن فیسٹیولز، تعلیمی اداروں کے ذریعے اور فوجی جرگوں میں بلوچ قوم کو تحریک سے دور کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کر رہی ہے تاکہ تحریک کو کمزور کیا جاسکے۔ بلوچ نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ ذاتی خواہشات سے زیادہ اجتماعی مفادات کے لیے جدوجہد کریں کیونکہ اجتماعی غلامی کے آگے ذاتی آزادی نامی شے کچھ بھی نہیں ہے۔

قومی غلامی، دشمن کے سامنے رسوائی، نظریاتی سوچ سے دستبرداری، اور فردی مفادات کی خاطر مصروف رہنا شہدا کی عظیم قربانیوں کی پامالی کے مترادف ہے۔ بی ایس او کے کارکنوں کو چاہیے کہ وہ ریاستی منصوبہ بندی کے سامنے دفاعی ڈھال بن کر نوجوانوں کو اس دلدل سے بچائیں کیونکہ یہ ایک دفاعی عمل ہے۔

☆☆☆